تحریر :- جناب علامہ محمد اسد صاحب (جرمنی)
ترجمہ :- جناب محمد معین خاں بی۔ اے (عثمانیہ)۔ اسلام آباد

اسلام میں حدیث اور سنت کا مقام

ذیل میں عالم اسلام کے ممتاز عالم اور سکالر جناب محمد اسد صاحب (نو مسلم) حال متوطن اسٹریا (یورپ) کی شہرۂ آفاق کتاب اسلام ایٹ دی کراس روڈ (ISLAM AT THE CROSS ROAD) کے ایک باب کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کی قدر و منزلت کے بارہ میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ علامہ محمد اقبال، محترم مارماڈیوک محمد پکتھال، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا ابو الحسن علی ندوی جیسے مشاہیر علماء سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے ______۔

★

قرونِ گذشتہ کے دوران اصلاح مذہبی کی کئی تجویزیں پیش ہوئیں اور کئی روحانی طبیبوں نے اسلام کے جسد بیمار کے لئے ایک پیٹنٹ دوا ایجاد کرنے کی کوششیں بھی کیں لیکن تا حال ہر تجویز بے سود اور ہر سعی نا مشکور ثابت ہوئی، کیونکہ یہ تمام با کمال طبیب اپنی ادویات اور اکسیر و مقویات کے ساتھ وہ قدرتی غذا تجویز کرنا ہمیشہ فراموش کرتے رہے جس پر مریض کی ابتدائی شفاء پذیری کی بنیادیں استوار کی گئی تھیں۔ یہ قدرتی غذا ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور صرف یہی وہ واحد غذا ہے جو جسد اسلام تندرستی یا بیماری ہر دو حالتوں میں قطعی طور پر قبول کر سکتا ہے۔ سنت تیرہ سو برس سے بھی پہلے کے اسلامی عروج و کمال کو سمجھنے کی کلید ہے۔ پھر یہ ہماری موجودہ پستی و زوال کو سمجھنے کی کلید کیوں نہیں ہو سکتی۔

اسلام کا شجرۂ طوبیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے ہمیشہ سدا بہار رہے گا۔ یہاں مسلمانوں کے دینی زوال اور اضمحلال کی بنا پر مجازاً جسد اسلام کو مصنف نے بیمار کی نسبت دی ہے جسے حدیث میں بدأ الاسلام غریباً سے تعبیر کیا گیا۔ مدیر

اتباعِ سنت وجود و ترقی اسلام کے مترادف ہے اور سنت سے تغافل انتشار و انحطاط اسلام کے مترادف ہے۔ سنت قصرِ اسلام کا آہنی چوکھٹا ہے۔ آپ کسی عمارت سے اس کا چوکھٹا نکال دیں اور وہ عمارت تاش کے پتوں کی طرح منہدم ہو جائے تو کیا آپ کو اس پہ کوئی حیرت ہو سکتی ہے؟

یہ سیدھی سی صداقت جسے تاریخِ اسلام کے ہر دور کے علماء بالاتفاق قبول کرتے چلے آئے ہیں، آج ان وجوہ و اسباب کی بناء پر جن کا تعلق مغربی تہذیب کے روز افزوں اثرات سے ہے، بے انتہا غیر مقبول بن گئی ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ یہی اور صرف یہی وہ صداقت ہے جو ہمیں اپنی موجودہ پستی کے اختلال سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اور اس پستی کی ندامت سے ہمیں بچا سکتی ہے۔

قرآن کا حق سنت کے اتباع ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔ سنت کا لفظ یہاں اس کے وسیع ترین معنی میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ یعنی وہ نمونہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال میں ہمارے لئے قائم فرمایا ہے۔ آپ کی معجز نما حیاتِ طیبہ قرآن مجید کی جیتی جاگتی شرح و تفسیر تھی ہم اس کتابِ مقدس کا حق اس سے زیادہ ادا نہیں کر سکتے کہ ہم اس ہستیٔ مطہر کی اتباع کریں جو اس کتاب کے نزول و ابلاغ کا ذریعہ بنی تھی۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ جو اسے دیگر تمام ماورائی نظاموں سے متمیز و ممتاز کرتا ہے وہ حیاتِ انسانی کے اخلاقی اور مادی پہلوؤں کے مابین مکمل ہم آہنگی ہے۔ یہ ان اسباب میں سے ایک ہے جن کی بناء پر اسلام اپنے صدرِ اول میں جہاں جہاں گیا فتح مبین سے ہم کنار ہوتا رہا۔ اس نے نوعِ بشر کو یہ نیا پیغام دیا، کہ آسمان کے حصول کے لئے زمین کی تحقیر کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی اس نمایاں خصوصیت سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حیثیت داعیاً الی اللہ کے انسانی زندگی کے روحانی اور مادی ہر دو متضاد مظاہر کی یک جائی سے اسقدر گہرا تعلقِ خاطر کیوں تھا۔ اسی لئے جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ احکام جو خالص عبادات اور روحانی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ احکام جو ہمارے سماجی اور روزمرہ زندگی کے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، ان دونوں میں کوئی فرق و امتیاز قائم کرتا ہے۔ تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے بارہ میں اسکی فہم و آگاہی زیادہ گہری نہیں ہے۔

منصبِ رسالت کی بے قدری یہ استدلال کہ ہم صرف اول الذکر مجموعۂ احکام کی بجا آوری کے مکلف ہیں اور مابعد الذکر مجموعۂ احکام کی پابندی کے مکلف نہیں ہیں، ایسا ہی سطحی اور نتیجہ کے لحاظ سے ایسا ہی اسلام دشمن انداز ہے، جیسا کہ یہ تصور کہ قرآن مجید کے بعض عمومی اوامر و نواہی صرف

نزولِ قرآن کے وقت کے جاہل عربوں کے لئے مقصود تھے، نہ کہ بیسویں صدی کے مہذب و شائستہ انسانوں کے لئے اس استدلال کی تہہ میں منصبِ رسالت مصطفیٰؐ کی ایک طرح کی حیرت ناک کم قدری پوشیدہ ہے

چونکہ ایک مسلمان کی زندگی کی رہبری اسکی روحانی اور جسمانی ذوات کے مکمل اور غیر مشروط تعادلِ باہمی پر ہونی چاہیئے۔ اسی لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی نے زندگی کو ایک ہستی مرکب، اخلاقی و عملی، انفرادی و اجتماعی مظاہر کے ایک مجموعہ کی صورت میں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا ہے۔ سنت کے سب سے دقیق و غامض معنی یہی ہیں۔ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے :

ماآتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم	رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے
عنہ فانتھوا ۔ (سورۃ ۵۹ : ۷)	روکیں اس سے باز آجاؤ۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تفرقت الیھود علی احد وسبعین فرقۃ	یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے۔
وتفرقت النصاریٰ علی اثنین وسبعین فرقۃ	اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔
وستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ	اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ
(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی مسند	جائے گی۔
ابن حنبل)	

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عربی محاورہ میں ۷۰ کا عدد عموماً "کثرت" کے لئے بولا جاتا ہے، اور اس سے واقعتاً حسابی عدد مراد نہیں ہوتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر یہ فرمانا چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں یہودیوں اور نصرانیوں سے بھی زیادہ فرقے ہو جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا :

کلھم فی النار الا واحد ۔	صرف ایک کے سوا وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔

جب صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ فرقہ کون سا ہوگا ؟ آپؐ نے فرمایا :

ماانا علیہ واصحابی ۔	وہ جو میری اور میرے اصحاب کی پیروی کریگا۔

قرآنِ مجید کی بعض آیتوں سے اس نکتہ کی ایسی وضاحت ہو جاتی ہے کہ غلط فہمی و ابہام کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا :

فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک	تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک
فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی	اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں

انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما۔ (سورہ ۴ : ۶۵)

اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسکو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہ ہوں گے۔

...

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم۔ قل اطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لا يحب الكٰفرين۔ (سورہ ۳ : ۳۱، ۳۲)

کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔ اور ہمارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

...

قرآن کریم کی فہم حدیث پر موقوف ہے۔ پس قرآنِ مجید کے بعد کا مرتبہ سنت کا ہے جو انفرادی اور اجتماعی اداب معاشرت کے اسلامی قانون کا ماخذ ثانی ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ سنت کو ہم قرآنی تعلیمات کی واحد مستند شرح اور ان کی عملی تعبیر و تطبیق سے متعلق نزاعات و اختلافات سے باز رہنے کا واحد ذریعہ سمجھیں۔ قرآنِ مجید کی بہت سی آئتیں ایسی ہیں جن کے معنی تمثیلی اور مجازی ہیں۔ اگر شرح و تفسیر کا کوئی واضح اور قطعی قاعدہ نہ ہوا ہوتا تو یہ معنی ہماری سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے تھے۔ مزید براں عملی اہمیت کے بہت سے امور ایسے بھی ہیں جنہیں قرآنِ مجید میں شرح و بسط کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید کا انداز اس سرے سے اس سرے تک یکساں و ہموار ہے لیکن اس سے اس عملی روّیہ کا استنباط کرنا جس پر ہمیں کاربند ہونا ہے۔ ہر صورت میں آسان نہیں ہے۔ جب تک ہمارا اس بات پر ایمان ہے۔ کہ قرآنِ مجید اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام ہے، ہیئت و غایت کے اعتبار سے کامل و مکمل ہے، اس کا منطقی نتیجہ صرف یہی رہے گا کہ اس کتاب کا مقصود و مدعا کبھی بھی یہ نہیں رہا کہ اس پر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی ہدایت سے (جو نظام سنت میں مستمل ہے) بے نیاز ہو کر عمل پیرائی کی جائے۔ آئندہ باب میں قرآن مجید کو ہر زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض بخش و رہنما ذاتِ اقدس کے ساتھ منسلک و مربوط کرنے کے وجوہ قطعی کی تصریح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ زیرِ نظر باب کے مقاصد کے لئے یہ قول کافی ہے: ہمارا استدلال یہ کہتا ہے کہ قرآنی تعلیمات کا شارع و مفسر اس شخص سے بہتر کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس کے ذریعہ یہ تعلیمات نوعِ بشر تک پہنچائی گئی ہیں۔

قرآن کی طرف لوٹ جانے کا نعرہ ہمارے زمانہ میں ہم یہ نعرہ اکثر سنا کرتے ہیں کہ ہمیں قرآن کی طرف لوٹ جانا چاہیئے لیکن سنت کی غلامانہ پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ نعرہ اسلام سے عدم واقفیت پر دال ہے۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک محل میں داخل ہونا تو چاہتا ہے لیکن وہ اصل چابی استعمال کرنا نہیں چاہتا جس کے سوا کوئی اور چابی فتح باب کے لیئے کارآمد نہیں ہو سکتی۔

اب ہم ان مآخذ کے استناد و اعتبار کے مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کے ارشادات ہم پر منکشف ہوتے ہیں۔ یہ مآخذ احادیث یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال ہیں جن کی آپ کے صحابہؓ نے خبر دی اور جنہیں روایت کیا اور جو اسلام کی ابتدائی چند صدیوں کے دوران بڑی چھان بین کے بعد جمع کیئے گئے ہیں۔ بہت سے تجدد پسند مسلمان یہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ وہ اتباعِ سنت کے لیئے تیار ہیں۔ لیکن وہ احادیث کے اس مجموعہ کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے جس پر سنت کا دار و مدار ہے۔ احادیث کی سند اور نتیجۃً سنت کے سارے ڈھانچہ کو اصولی طور پر تسلیم نہ کرنا تو ہمارے زمانہ کا فیشن بن گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرزِ عمل کی کوئی علمی سند بھی ہے۔؟ کیا احادیث کو شریعت اسلامی کے قابلِ اعتبار ماخذ کی حیثیت سے نہ ماننے کا کوئی علمی جواز ہے۔؟

شائد ہمارے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہو کہ عقیدۂ راسخ کے مخالفین ایسے تسلی بخش دلائل و براہین پیش کر دیں جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب احادیث کی ساقط الاعتباری ہمیشہ کے لیئے ثابت ہو جائے۔ لیکن معاملہ یوں نہیں ہے۔ مجموعۂ احادیث کی سند کو چیلنج کرنے کے لیئے ہر قسم کے جتن استعمال کرنے کے باوجود مشرق و مغرب دونوں طرف کے جدید نقاد اپنی خالص من مانی تنقید کی تائید میں علمی تحقیق کے نتائج آج تک پیش نہیں کر سکے۔ ایسا کرنا بھی نہایت دشوار ہے، کیونکہ ابتدائی مجموعۂ احادیث کے مدوّنوں بالخصوص امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ہر حدیث کی سند کی اتنی سخت جانچ پڑتال کی ہے جتنی کہ انسان کے لیئے ممکن ہو سکتی ہے۔ —— اس سے بھی زیادہ سخت جانچ پڑتال جتنی کہ یورپی مورخین عام طور سے کسی تاریخی دستاویز کی کیا کرتے ہیں۔

محدثین نے احادیث کے اعتبار و سند کی چھان بین میں جس قدر محتاط اور متدین

طریقہ اختیار کیا تھا اس پر تفصیلی بحث کرنا اس کتاب کے اغراض و مقاصد سے باہر ہے۔ البتہ یہاں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس سلسلہ میں ایک ایسا مکمل علم معرضِ وجود میں لایا گیا ہے جس کا مقصد وحید حدیث نبویؐ کے معنی، صورت اور طریق روایت کے بارے میں تحقیق کرنا ہے۔

علم اسماء الرجال اس علم کی ایک شاخ نے ان تمام شخصیتوں کی تفصیلی سوانح عمریوں کا ایک متواتر سلسلہ قائم کر دیا ہے جو راویانِ حدیث کی حیثیت سے مذکور ہوئے ہیں۔ ان تمام مردوں اور عورتوں کی زندگیوں کی ہر نقطۂ نظر سے چھان پھٹک کی گئی اور صرف وہی لوگ قابلِ اعتبار تسلیم کئے گئے جن کا طریقِ زندگی اور روایتِ حدیث محدثین کے مقرر کردہ معیار پر پورا اترتا تھا، اور یہ معیار اتنا سخت تھا جتنا کہ تصور میں آسکتا ہے اس لئے آج اگر کوئی شخص کسی خاص حدیث یا پورے نظامِ حدیث کی سند پر ردّ و قدح کرنا چاہتا ہے تو اس سند کو غلط ثابت کرنے کی تمام تر ذمہ داری صرف اسی کی ذات پر عائد ہوگی۔ کسی تاریخی ماخذ کی صداقت پر ردّ و قدح کرنے کا علمی اعتبار سے اس وقت تک معمولی سا بھی جواز پیدا نہیں ہوتا جب تک کوئی یہ ثابت کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائے کہ یہ ماخذ اتنا قص ہے۔ اگر خود ماخذِ حدیث کی صداقت کے خلاف یا اس کے کسی ایک یا زائد راویانِ مابعد کے خلاف کوئی معقول یعنی علمی حجت و برہان دستیاب نہ ہو سکے اور اگر دوسری طرف اس معاملہ کے بارہ میں کوئی متضاد خبر موجود نہ ہو تب تو ہم پر یہ لازم ہو جائے گا کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیں ——

ایک مثال سے منکرینِ حدیث کی تردید مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ کوئی شخص سلطان محمود غزنوی کی ان لڑائیوں کا ذکر کرتا ہے جو ہندوستان میں لڑی گئی تھیں۔ آپ جھٹ سے کھڑے ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ: "میں تو یقین ہی نہیں کرتا کہ محمود کبھی ہندوستان آیا بھی تھا۔ یہ تو محض ایک افسانہ ہے جس کی کوئی تاریخی بنیاد ہی نہیں ہے۔" اس صورت میں کیا ہوگا؟ فوراً ہی کوئی ایسا شخص آپ کی غلطی کو درست کرنے کی کوشش کرے گا، جو تاریخ میں اچھی دستگاہ رکھتا ہو اور وہ اس حقیقت کے قطعی ثبوت میں کہ محمود واقعتاً ہندوستان میں وارد ہوا تھا، وقائع و تواریخ کے ایسے حوالے پیش کرے گا جو اس مشہور و معروف سلطان کے معاصرین کے اخبار و اطلاعات پر مبنی ہوں گے۔ اس وقت آپ کو یہ ثبوت مان لینا پڑے گا —— ورنہ آپکو مراقی سمجھا جائے گا جو بغیر کسی معقول وجہ کے تاریخ کے ٹھوس حقائق کا انکار کرتا ہے۔ جب

معاملہ یوں ہے تو ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہمارے جدید نقاد مسئلہ حدیث کے بارہ میں ایسی منطقی صاف باطنی کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتے۔؟

حدیث بنیادی طور پر چھوٹی ہونے کی صورت میں اپنے مصدرِ اول یعنی متعلقہ صحابی یا راویانِ مابعد کیطرف سے کذب بالعمد ہو گی۔ جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے۔ اس قسم کے امکان کو سرے ہی سے ناقابلِ غور قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابن قتیبل کے مفروضات کو ظن محض کے خانہ میں پھینک دینے کے لئے مسئلہ کا نفسیاتی پہلو صرف تھوڑی سی دقت نظر کا متقاضی ہے۔ ان مردوں اور عورتوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ شخصیت نے جو زبردست اثر ڈالا تھا وہ تاریخ انسانیت کی ایک نمایاں حقیقت ہے۔ مزید برآں تاریخ میں بھی اس کا نہایت عمدہ دستاویزی ثبوت موجود ہے۔ کیا یہ بات وہم و گمان میں بھی آ سکتی ہے۔ کہ وہ لوگ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ پہ اپنی جان و مال قربان کر دینے کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتے ہوں آپ کے اقوال و ارشادات کے معاملہ میں جعل و دغل سے کام لیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ — جس نے میرے ساتھ عمداً کوئی جھوٹ بات
مقعدہٗ من النار۔ — منسوب کی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

(صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن الدارمی، مسند ابن حنبل)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بخوبی واقف تھے، وہ آپ کو خدا کا کلیم سمجھتے تھے اور آپ کے کلام پر ایمان رکھتے تھے۔ کیا نفسیاتی نقطۂ نظر سے اس امر کا کوئی امکان ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات آپ کے اس امرِ قطعی سے اعراض کرتے۔

ایک قانونی نقطہ سے استدلال | عدالت فوجداری کی کارروائیوں میں جج کو سب سے پہلے جس سوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وہ یہ ہے کہ جرم کا ارتکاب کس کے نفع کی خاطر کیا گیا۔ قانون کے اس اصول کا اطلاق مسئلہ حدیث پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ بہ استثنائے ان احادیث کے جن کا تعلق براہِ راست بعض افراد یا گروہوں سے ہے۔ مثال کے طور پر قطعی طور پر جعلی اور وضعی احادیث جنہیں اکثر محدثوں نے مسترد کر دیا ہے۔ جو وفاتِ نبویؐ کے بعد پہلی صدی کی مختلف جماعتوں کے سیاسی دعاوی سے وابستہ ہیں، کسی فرد کے لئے احادیث نبویؐ کو گھڑنے اور وضع کرنے کی کوئی "نفع بخش" وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اس صحیح اندیشہ کے مدِ نظر کہ شخصی اغراض کے لئے احادیث وضع کی جا سکتی ہیں، دو عظیم ترین ماہرینِ حدیث یعنی امام بخاریؒ و مسلمؒ نے

اپنی اپنی کتابوں سے وہ تمام حدیثیں چن چن کر نکال دیں جو جماعتی سیاسیات سے متعلق تھیں۔ اس کے بعد جو حدیثیں باقی رہ گئیں وہ شک و شبہ سے اس قدر بالا تھیں کہ ان سے کسی کو بھی شخصی نفع نہیں پہنچ سکتا تھا۔

صحابہؓ کی نگاہ میں حضورؐ کی زندگی | ایک استدلال اور بھی ہے جسکی بناء پر کسی حدیث کی سند کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ یہ امر قابلِ قیاس ہے کہ یا تو اس صحابی سے جس نے حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا یا کسی اور راوی مابعد سے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو صحیح طور سمجھ نہ پانے کے باعث یا نسیان یا کسی اور نفسیاتی وجہ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو، لیکن داخلی یعنی نفسیاتی شہادت یہ کہتی ہے کہ کم از کم صحابہ کرامؓ کی طرف سے اس قبیل کی غلطیوں کا کوئی بڑا امکان پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے ان کے نزدیک آپ کا ہر قول اور ہر فعل بے انتہا معنویت کا حامل ہوتا تھا۔ نہ صرف اس بے انتہا جذب و کشش کی بناء پر جو آپ کی پاکیزہ شخصیت سے ان کے دلوں میں پیدا ہوتی تھی بلکہ اس یقینِ واثق کے باعث بھی کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی مرضی و منشاء یہی ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو حتیٰ کہ زندگیوں کی جزوی تفصیلات کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و اسوۂ حسنہ کے مطابق منضبط کر لیں۔ اس لئے یہ لوگ آپ کے ارشادات کو سرسری طور پر نہیں سنتے تھے۔ بلکہ انہیں اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے خواہ اس سلسلہ میں انہیں کتنی ہی بڑی دشواریاں کیوں نہ پیش آتیں، کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین صحابہ نے اپنے میں سے دو دو آدمیوں کی ایک ایک جماعت بنالی تھی۔ جماعت کا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتا تو دوسرا اپنی معیشت کی تلاش میں نکل جاتا یا کسی اور کام میں مصروف ہو جاتا۔ اپنے معلم (فداہٗ ابی و امی) کی زبان وحی ترجمان سے یہ حضرات جو کچھ سنتے یا آپ کے افعال میں جو کچھ دیکھتے اپنے دوسرے ساتھیوں کو اسکی خبر پہنچا دیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلقِ خاطر کا یہ حال تھا کہ وہ ڈرتے تھے کہ مبادا آپ کا کوئی قول یا فعل ان کی توجہ سے اوجھل ہو جائے۔ صحابہؓ کے اس طرزِ عمل کے مدِ نظر اس امر کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا کہ وہ حدیث کے اصل الفاظ سے غفلت برت جاتے۔ اگر سیکڑوں صحابہؓ کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب کو حتیٰ کہ ان کے ہجا کی معمولی سے معمولی تفصیل کو بھی ازبر کر لیا کرتے تھے تو پھر اس امر میں قطعاً کوئی شبہ نہیں

ہو سکتا کہ حضرات صحابہؓ اور ان کے تابعین کے لئے یہ بات بھی اتنی ہی ممکن تھی کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مفرد اقوال کو کسی کی دبیشی کے بغیر اپنے اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لیتے ہیں۔

سند کے لحاظ سے احتیاط | مزید برآں محدثین سندِ کامل صرف انہی حدیثوں سے منسوب کرتے ہیں۔ جو راویوں کے مختلف و جداگانہ سلسلوں سے ایک ہی شکل و صورت میں بیان کی گئی ہو۔ کیا یہ سب کچھ صداقت حدیث کے لئے کافی نہیں ہے؟ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ روایت کے ہر مرحلہ پر کم از کم دو راویوں کی آزاد شہادت سے اسکی تصدیق ہو تاکہ کسی مرحلہ پر بھی روایت کسی ایک ہی شخص کی سند پر مبنی نہ ہونے پائے۔ تصدیق کا یہ لزوم اس قدر سخت ہے کہ ایک ہی حدیث، جو مثال کے طور پر صحابی اور مدوّن کے مابین راویوں کی تین "پشتوں" میں بیان ہوتی چلی آئی ہو، اس کے راویوں کی تعداد بیس یا اس سے بھی زائد ہو جاتی ہے۔

نقادانِ یورپ کی سادہ لوحی | بایں ہمہ کسی مسلمان کا یہ ایمان کبھی بھی نہیں رہا کہ احادیث کا مرتبہ قرآن مجید کے برابر ہے یا ان کی سند قرآن مجید کی طرح مسلم ہے۔ احادیث کی ناقدانہ چھان بین کا سلسلہ کسی زمانہ میں بھی بند نہیں ہوا۔ یہ حقیقت کہ بے شمار حدیثیں وضعی ہیں۔ محدثوں کی توجہ سے ذرہ برابر بھی اوجھل نہیں ہونے پائی، جیسا کہ نقادانِ یورپ سادہ لوحی سے اس کے برعکس فرض کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے برخلاف حدیث کے تنقیدی علم کی ابتداء ہی اسی ضرورت کے مدِنظر ہوئی کہ مستند اور وضعی حدیثوں کے مابین تمیز کی جائے۔ خود امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے جلیل القدر محدثین اسی تنقیدی انداز کی راست پیداوار تھے۔ لہٰذا جھوٹی حدیثوں کے وجود سے پورے نظامِ حدیث کے خلاف قطعاً کوئی بات ثابت نہیں ہو سکتی — ان جھوٹی حدیثوں کا معاملہ الف لیلہ کے کسی خیالی افسانہ سے زیادہ نہیں ہے، جس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ کسی ہم عصر تاریخی اطلاع کی سند و اعتبار کے خلاف کوئی دلیل بن سکتا ہے۔

حدیث سے معاندانہ رویہ کا محرک کیا ہے۔ | آج تک کوئی نقاد با اصول طریقہ سے یہ ثابت ہی نہ کر سکا کہ احادیث کا کوئی مجموعہ جسے قدماء محدثین کے قائم کردہ معیار کے مطابق مستند سمجھا جاتا ہے، وہ جھوٹا ہے۔ مستند احادیث کا جزوی یا کلی رد محض ایک مزاجی معاملہ ہے جسے غیر جانب دار عالمانہ تحقیق کا پایۂ ثبوت آج تک نصیب ہی نہ ہو سکا۔ لیکن ہمارے زمانہ کے بعض مسلمانوں نے جو اس قسم کا مخالفانہ رویّہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس کے محرک کا کھوج لگانا

تو بہت آسان ہے۔ یہ محرک ہماری اس بے بسی اور بے بضاعتی میں پوشیدہ ہے۔ کہ ہم اپنی فکر و حیات کے موجودہ خوار و زبوں طریقوں کو اسلام کی اس سچی روح کے ہم آہنگ نہیں بنا سکتے جو سنتِ نبوی میں تجلّی ریز ہے۔ خود اپنی اور اپنے ماحول کی خامیوں کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کے یہ ادّعائی نقاد اتباعِ سنت کے لزوم ہی کو موقوف کر دینے کی کوشش کرتے ہیں کیوں کہ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر انہیں قرآنی تعلیمات کی سطحی عقلیت کے خطوط پر من مانی تاویل و تعبیر کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک اخلاقی اور عملی، ایک انفرادی اور اجتماعی ضابطۂ حیات کی حیثیت سے اسلام کو جو استثنائی موقف حاصل ہے اس کے پرخچے اڑ جائیں گے۔

فتنۂ انکارِ حدیث کی بنیاد مغرب زدگی ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ مسلم ملکوں میں مغربی تہذیب کا اثر روز بروز شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمیں حدیث و سنت کے معاملہ میں نام نہاد مسلم دانشوروں کے عجیب و غریب رویّہ میں ایک محرک اور نظر آتا ہے۔ سنتِ نبوی کی اتباع کے ساتھ ساتھ مغربی طریقِ حیات کی تقلید کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ لیکن مسلمانوں کی موجودہ نسل کا حال یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی بندگی کے لئے تیار ہے۔ جس پر مغرب کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ نیز وہ اجنبی تہذیب کی پرستش کے لئے بھی اس وجہ سے کمربستہ ہے کہ وہ اجنبی ہے، طاقتور ہے اور مادی اعتبار سے درخشندہ و تاباں ہے۔ آج احادیثِ نبوی اور ان کے ساتھ سنت کا پورا ڈھانچہ جو اس قدر غیر ہر دلعزیز اور نامقبول بن گئے ہیں اس کی سب سے زبردست وجہ یہی "مغرب زدگی" ہے۔ سنت ان بنیادی تصورات کی بدیہہ طور پر مخالف ہے جو مغربی تہذیب کی تہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو جو مغربی تہذیب کے شیدائی ہیں۔ اس الجھن سے فرار کی اس کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی کہ وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ سنت محض ایک بے محل اور غیر متعلق چیز ہے۔ لہٰذا یہ اسلام کا کوئی لازمی پہلو نہیں ہے۔ اس کے بعد قرآنی تعلیمات کی قبا پہ اس طور سے قینچی چلانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ کہ وہ مغربی تہذیب کی روح پر چست ہو جائے ——